عالم گیریت ___ مفہوم اور عصری صورتِ حال

سمیرا تصدق☆

Abstract:

Globalisation is considered a comparatively new term but it has its origion in antiqueity.It started before Christ even.Alexander's invasions on other countries are a part of this series.Khalid Iqbal Yasir thinks it is basically imperialism who has changed its name.Colonialism has planned to enslave the world under the cover of this positive sounding term.Globalisation is now commonly linked with information technology.Infact it is an attempt to make the whole world a civilisation to make it a bigger market ever.But the more globalisation is trying to eat cultures up,the more cultures have started fighting to maintain their individual identity.Globalisation is a plotting and writers can play a vital role to avoid side effects of globalisation.

عالم گیریت بادی النظر میں ایک نیا موضوع ہے، مگر دراصل یہ بہت قدیم ہے۔اس کی تاریخ کا آغاز قبل مسیحی دور میں ہوگیا تھا جب مشرقی ایشیا میں چین کی چاؤ جن اور ہان سلطنتیں وجود میں آئی تھیں یا پھر ہندوستان کی موریہ اور گپتا حکومتیں قائم ہوئی تھیں یا میسوپوٹیمیا کی بابلی اور سمیری سلطنتیں ابھری تھیں اور سکندرِ اعظم نے جب پوری دنیا کو یونانیوں کے تابع کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ یہ عالم گیریت کی ابتدائی شکل تھی۔ سیاسی اور عسکری غلبے کے ساتھ معاشی اور ثقافتی غلبہ از خود ممکن ہو جاتا ہے۔

عالم گیریت کا ایک پہلو وہ خواب ہے جسے شاعروں اور ادیبوں نے دیکھا کہ بنی نوع انسان جو مختلف رنگوں، قوموں، قبیلوں میں بٹے ہوئے ہیں سب ایک پرچم تلے جمع ہوں۔طبقاتی اور معاشی تقسیم ختم ہو جائے۔

عالم گیریت کا ایک عہد سائنسی ایجادات کے بعد شروع ہوا۔انیسویں صدی کے شروع میں جب جاگیردارانہ

☆ لیکچرار، شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، چنیوٹ

نظام کی خامیاں ابھر کر سامنے آ گئی تھیں اور انھیں خامیوں کی بنا پر وہ نظام آہستہ آہستہ اپنی افادیت کھو رہا تھا، تو پوری دنیا میں سائنسی ایجاد کی بدولت معاشرہ صنعتی مزاج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کھیت مزدور اور صنعتی مزدور جاگیردارانہ نظام کی نامعقولیت کے سبب آہستہ آہستہ انسان دوستی سیکھ رہے تھے۔ صنعتی مزدور ایک طبقہ پیدا ہو رہا تھا اور جاگیردارانہ پرانے ساہوکاروں کے ساتھ مل کر صنعتی نظام کی داگ بیل ڈال رہے تھے۔ ان حالات میں یہاں سرمایہ دار اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے آہستہ آہستہ مزدوروں کے لیے حلقہ تنگ کر رہے تھے۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> ''عالم گیریت کا دوسرا عہد روشن خیالی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے جب یورپی اقوام نے اپنی سائنسی تحقیقات اور مخصوص فلسفیانہ تصورات کی بدولت نوآبادیاتی نظام کی بنیاد رکھی۔ اس نظام کو صنعتی انقلاب نے مستحکم کیا اور یورپی اقوام نے مشرق وسطیٰ، ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک کو اپنی نوآبادیوں میں شامل کر لیا۔'' (۱)

مفکرین نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے نئے نظریات وضع کرنا شروع کر دیے۔ انھیں نظریات کو بنیاد بنا کر مزدور اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے تھے۔ کارل مارکس اور فرائیڈ ایگل سرمایہ دارانہ نظام کی مخالفت میں اپنی تھیوری پیش کر چکے تھے۔ روس اور مشرقی دنیا میں ان نظریات کی بنیاد پر انقلاب کی بنیادیں تیار ہو رہی تھیں وہاں مزدوروں کی جدوجہد رنگ لائی اور روس ۱۹۱۷ء میں اشتراکی انقلاب کی بنا پڑی۔ اشتراکی انقلاب اپنے فوری ثمرات کی بنا پر مظلوم اور پسے ہوئے طبقات کے لیے امید کی کرن تھیں۔ ان نشریات کے نتیجے میں ۱۹۴۸ء میں چین میں بھی سیاسی انقلاب رونما ہوا۔ یوں آدھی سے زیادہ دنیا اشتراکی نظریات کی پیروکار تھی۔ اسی طرح دنیا میں دو قطبی نظام پیدا ہوا۔ آدھی دنیا سرمایہ دارانہ نظام کی حامل تھی جب کہ باقی آدھی دنیا اشتراکی نظریات کی پیروکار تھی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد دو قطبی نظام مکمل طور پر وجود میں آ گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی حامل قوتیں امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے زیر اثر چلی گئیں۔ جب کہ چین، روس، رومانیہ اور پولینڈ وغیرہ اشتراکی نظام کے علمبردار کہلائے۔ اس صورتِ حال پر بات کرتے ہوئے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> ''دوسری جنگ عظیم کے بعد عالم گیریت کا تیسرا عہد شروع ہوا مگر مختلف انداز میں۔ نوآبادیات کا خاتمہ ہوا۔ مگر عالم گیریت کے مقاصد (معاشی، ثقافتی، غلبہ) کا حصول با انداز دیگر جاری رہا۔ اب راست اقدام کی بجائے بالواسطہ اقدام کا رواج ہوا ہے۔'' (۲)

دونوں نظاموں کے درمیان نظریاتی سطح پر ایک دوسرے کے خلاف حملے شروع ہو گئے، بلکہ سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ سرد جنگ کی یہ کیفیت کم و بیش نصف صدی تک جاری رہی۔ دونوں نظاموں نے اپنی توسیع پسندانہ عزائم کے تحت آہستہ آہستہ اپنے زیر اثر حلقوں میں اضافہ شروع کر دیا۔

ویت نام کی جنگ اور افغانستان میں روسی مداخلت اسی دور کی یادگار ہے لیکن ۱۹۹۱ء میں افغانستان سے روس کی واپسی کے ساتھ ہی روس کی عظیم سلطنت ٹکڑوں میں بٹنا شروع ہو گئی۔ روس کے خاتمے کے ساتھ ہی عالمی سطح پر

طاقت کا توازن ایک فریق کے حق میں بڑھ گیا۔ یوں سرمایہ دارانہ نظام کے سب سے بڑے محافظ امریکا کو کھیل کھیلنے کا موقع ملا۔ پوری دنیا اب امریکا کے لیے ایک کھیل کے میدان سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

عالم گیریت کی اصطلاح:

ان حالات میں سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیادوں کو مضبوط کرنے والے دانشوروں نے عالم گیریت کی اصطلاح کو مروّج کرنے کی کوشش کی۔ آج جسے عالم گیریت کہا جا رہا ہے اسے دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامیت کہا گیا تھا۔ بین الاقوامیت یا انٹرنیشنل ازم کو دنیا کے بڑے بڑے مسائل کے حل کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ اسی کے حمایت آئن سٹائن نے بھی کی تھی۔ اسی نے عالمی حکومت کی تجویز پیش کی تھی۔ اس نے کہا کہ عالمی حکومت کی باگ دوڑ امریکا، برطانیہ اور سوویت یونین کے پاس ہونی چاہیے۔ یہ عالمی حکومت تمام ممالک کے معاملات کو کنٹرول کرے گی اور جنگ روکنے کی غرض سے ایٹمی راز صرف اپنے ہاتھ میں رکھے گی۔

اب عالم گیریت سے مراد یہ لیا جاتا ہے کہ پوری دنیا سائنسی ترقی کی بنیاد پر تیز رفتار میڈیا کے ذریعے اسی طرح ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہے کہ انفرادی تشخص اور ثقافت بے معنی ہو کر رہ گیا۔ پوری دنیا ایک گاؤں کی طرح ہے جس کی شناخت صرف اور صرف حکمرانوں اور طاقت وروں کی شناخت کے مساوی ہے۔ یوں دنیا جو مختلف تہذیبوں، لسانی و نسلی امتیازات پر مشتمل ہے۔ ان سب کو ختم کر کے مکمل سرمایہ دارانہ شناخت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کا سب سے بڑا مبلغ امریکا اپنی فوجی طاقت اور معاشی برتری کی بنیاد پر مشرق و مغرب کے فرق کے ساتھ ساتھ اور دوسری تہذیبوں کی شناخت کو ختم کرنے پر لگا ہوا ہے۔ عالم گیریت کا یہ مظہر نہ صرف سماج پر اثر انداز ہوا ہے بلکہ اس نے دنیا کے ادبی منظر نامے کو بھی متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> ''گویا عالم گیریت ایک ایسا فینومینن (Phenominon) ہے جس میں آزادانہ متنوع اور بکثرت نقل و حرکت بنیادی چیز ہے اور اسی نوع کی نقل و حرکت وہاں ہوتی ہے جہاں سرحدیں نہ ہوں۔ عالم گیریت سرحدوں کے تصور کو ختم کرتی یا انھیں کچھ اس انداز میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ آزادانہ بکثرت نقل و حرکت ممکن ہوتی ہیں تو افراد اور ثقافتوں میں آمیزش اور آویزش ہوتی ہے۔ آمیزش کے نتیجے میں مختلف ثقافتوں کے ادغام سے نیا گلوبل کلچر پیدا ہو رہا ہے اور آویزش کے نتیجے میں اس گلوبل کلچر کے خلاف مزاحمت ہو رہی ہے اور اپنے مقامی و قومی کلچر کی بقا کی کوشش ہو رہی ہے۔''
> (۴)

میڈیا کے ذریعے نہ صرف مغربی دنیا دوسرے ممالک کی شناخت کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی ہے بلکہ معاشی طور پر آزاد منڈی کا رجحان جس کمپنیوں کے ذریعے بنیادی ڈھانچے کو بھی اپنی مرضی کے نظام زندگی دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کی بنیاد پرستی اور دہشت گردی جیسی اصطلاحات کے ذریعے دنیا کی ایک چوتھائی آبادی والے

مذہب سے وابستہ لوگوں کی شناخت اور کلچر کو ختم کیا جا رہا ہے۔

خالدا قبال یاسر کے مطابق:

''عالم گیریت قدیم شہنشاہیت، ہوسِ ملک گیری، مغربی استعمارانہ سامراج، نوآبادیت اور نئی نوآبادیت کی نئی مگر پہلے سے بھی زیادہ مکروہ صورت ہے۔ عالم گاؤں، عالمی تہذیب، عالمی شہریت، آزاد تجارت، سرمائے انسان، اشیاء، خدمات، تکنیک اور معلومات کا سرحدوں سے آزاد تبادلہ اور خرید وفروخت، معاشی مشترکہ انحصاری اور روشن خیالی اسی عالم گیریت کا چہرہ ہے۔ مگر چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر۔ اقوامِ متحدہ (OPEC, IMF)، یورپی یونین، نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے غریب ملکوں پر شکنجہ کس دیا گیا ہے اور جو ملک ان اداروں کے شکنجے سے باہر رہنے کے قابل ہے اس پر فوج کشی کر دی گئی۔ پامال سرحدوں اور ملکی سالمیتوں کی بکھری ہوئی دھجیاں عالم گیریت کے عملی پہلو کی عکاسی کرتی ہیں۔'' (۵)

جوگلوبلائزشین کی فوراً سمجھ میں آنے والی شکل ہے جس سے ہم بھی واقف ہو چکے ہیں کہ اس نے ہمیں آج کے تیز رفتار میڈیا سے آشنا کر دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالم گیریت کی یہ سوچ اور فکری عالمی سطح پر عام انسانوں کی زندگی کو کس طرح متاثر کر رہی ہے۔ اس کا جواب آسان نہیں لیکن ایک عام آدمی کی زندگی میں کوئی بڑا فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس کی محرومیاں صدیوں پہلے جس سطح پر تھیں آج بھی اس سطح پر ہیں۔ یہ بے وسیلہ لوگ جن کی زندگی میں ابھی بیسویں صدی طلوع نہیں ہوتی ان کی زندگی میں اکیسویں صدی کیسے داخل ہو سکتی ہے۔ دانشوروں کا خیال ہے کہ بے شک ظاہر تبدیلیاں ہو رہی ہیں لیکن دنیا میں دو ہی طبقات ہیں۔ ایک صاحب ثروت اور دوسرا محروم طبقہ۔

ڈاکٹر انور احمد کے مطابق:

''اقبال نے پیامِ مشرق میں 'قسمت نامہ، سرمایہ دار، مزدور' کے عنوان سے سرمایہ داری کے نظام پر ورلڈ آرڈر کے جو خدوخال یا عہدنامہ پیش کیا ہے۔ اس میں یہی ہے کہ ایک دنیا پروڈیومرز کی ہے جو غریب صنعتی نظام کا جنجال اپنے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں اور دنیا نیچ کشوں اور کنزیومرز کی ہے جن کے لیے کلیسا، مندر اور معبد کی ازلی سریلی آوازیں وقف ہیں جن املاک اور باغات پر مالیہ، آبیانہ، عشر اور ٹیکس دینا ہوتا ہے وہ بے چارے زراندوزوں کے حصے میں ہیں... پھر اس نظم کا کلائمکس یہ ہے کہ جب سرمایہ دار وسیع القلبی سے کام لیے کر بے زر مزدوروں سے کہتا ہے کہ اس مٹی اور اس کے شکم میں چھپی معدنیات چلو میں لے لیتا ہوں اور اس زمین سے لے کر عرش معلیٰ تک کا علاقہ تمھارے لیے ہے۔'' (۶)

عالم گیریت کی موجودہ صورتِ حال سادہ اور یک جہتی نہیں ہے۔ ارجن اپادرے نے اس کی پانچ شکلیں بیان کی ہیں:

۱۔ نسلی (Elhno Scapes) لوگوں کی غیر معمولی نقل وحرکت سیاحوں اور تارکینِ وطن کی کثرت۔
۲۔ معاشی۔زر کی نقل وحرکت۔اسٹاک ایکسچینج، آزاد منجات، آئی-ای-ایف
۳۔ نظریاتی۔مختلف ومتعدد نظریات۔
۴۔ ابلاغی۔اخبار، ریڈیو، ٹی-وی، نیٹ کے ذریعے خبروں کی نقل وحرکت۔
۵۔ ٹیکنالوجی۔نت نئی ٹیکنالوجیز۔(۷)

عالم گیریت کی مذکورہ بالا شکلوں کے تین اثرات ہیں:

۱۔ سیاسی ۲۔ معاشی ۳۔ ثقافتی

عالم گیریت اصل میں مغربی مظہر ہے مگر اس کی در پہ پوری دنیا ہے اور یہ ادراک کم ترقی یافتہ اور غیر مغربی ممالک کو عالم گیریت کی خلاف سرگرم ہونے کی تحریک دیتا ہے۔تاہم عالم گیریت کی مخالفت زیادہ پر معاش اور سیاسی حوالوں سے ہو رہی ہے۔عالم گیریت کے ثقافتی پہلو کی خلاف نقطۂ نظر تو موجود ہے مگر یہ تحریک کی صورت اختیار نہ کر سکا۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> ''یہ تصور عام ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور صارفیت کلچر دراصل عالم گیریت کے معاشی پہلو کے اہم مظہر ہیں۔ملٹی نیشنل کمپنیاں ''لامرکزیت'' کی حامل ہیں وہ متعدد ممالک میں عملاً نفوذ کیے ہوئے ہیں۔عالم گیریت بھی کسی ایک مرکز کے خلاف ہے۔اسی طرح صارفیت بھی حد بندیوں اور مرکزیت میں تعین نہیں رکھتی۔وہ ہر جگہ سرایت کرنے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔تاہم واضح رہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں اور صارفیت کی لامرکزیت نئی نئی مارکیٹیں تلاش کرنے سے عبارت ہے۔''(۸)

خالد اقبال یاسر اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''مگر Imperialism ایک بدنام اصطلاح ہے اس لیے اس منفی تحریک کو عالم گیریت یعنی گلوبلائزیشن کا رنگین چولا پہنایا گیا ہے۔نوآبادیاتی نظام کے عروج پر رڈیارڈ کپلنگ نے پوری دنیا کو گورے آدمی کا بوجھ قرار دیا جس کے سیول اینڈ ملٹری گزٹ کی دفتر میں اس کے نام اور عہدے کی تختی یہاں کے کسی سرمایہ دار نے متبرک جان کر اب تک سنبھال رکھی ہے۔''(۹)

اس اقتباس کی مدد سے ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے کے قائل ہو گئے ہیں کہ عالم گیریت کی موجودہ اصطلاح دراصل نوآبادیاتی دور کی جدید شکل ہے۔یہ دور جس میں آئی-ایم-ایف اقوامِ متحدہ WTO وغیرہ جیسے اداروں کے ذریعے مقتدر طبقہ کمزور اور غریب ملکوں پر اپنا پنجہ استبداد مزید سخت کرتا چلا جا رہا ہے جو ملک یا قوم ان اداروں کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرتی ہے اسے فوج کشی کے ذریعے قابو کر لیا جاتا ہے۔

عالم گیریت کا ادب سے تعلق:

بظاہر عالم گیریت کا ادب سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا اور نہ ہی عالم گیریت کو سامنے رکھ کر کوئی ادب تحریر کیا گیا۔ وقت کے خاتمہ، تہذیبوں کے تصادم، لامرکزیت، سرکشی ریاستیں، لامذہبیت کے بارے میں کتابیں، کالم اور دیگر تحریریں عالم گیریت کا مواد ہیں مگر ادب نہیں ہیں۔

یادوں کو دائمی بنانے کے لیے یادوں کو محفوظ کر لینا ہی ادب ہے۔ کلاسیکیت، نوکلاسیکیت، اشتراکیت، وجودیت، جدیدیت، مابعدجدیدیت، ساختیات، پس ساختیات، ساخت شکنی وغیرہ شعر و ادب سے پہلے وجود میں نہیں آیا کرتیں یہ شعر و ادب کی پیداوار ہوا کرتی ہیں۔

خالدا قبال یاسر لکھتے ہیں:

''عالم گیریت کو سامنے رکھ کر کوئی شعر نظم یا افسانہ شاید ابھی لکھا نہیں گیا تاہم عالم گیریت کی بھیانک یادیں ادب میں ابھی سے منعکس ہونا چروع ہو گئیں ہیں۔''

ایسی تمام یادیں جو عالم گیریت کی دین ہیں یا دین ہونے والی ہیں ضروری نہیں کہ پڑھنے والا اسے عالم گیریت ہی کی عینک سے دیکھے۔ افسانہ تو شاید فکشن کم اور حقیقت زیادہ ہو مگر شعر سے دائمی اقدار کی خوشبو وقت کی قید سے ماورا ہو کر ہر طرف پھیلتی ہے۔

میلان کنڈیرا کی کتاب The Joke کو جب اسٹالن ازم پر چوٹ کہا گیا تو اس نے رد کرتے ہوئے کہا یہ ایک عشقیہ کہانی ہے شاید اس کہ عشق لازوال قدر ہے۔ سٹالن ازم باقی نہ رہا مگر عشق سلامت ہے۔

جرمن شاعر دولفگانگ نے دوسری جنگ عظیم کو خود پر سہا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے لکھنے کی ممانعت ہے۔ چھپنے کی اجازت ہے۔ وہ بار بار لکھنے کی بے سود کوشش کرتا ہے لیکن جس نے اسے منع کر رکھا ہے وہ اس سے طاقت ور ہے۔ کیا عالم گیریت بھی انسانی حقوق کے شعور اور تحریر و تقریر کی آزادی کے باوجود کمزور ملکوں کے شاعروں میں کہیں احساس پیدا کرنا چاہتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائے۔

''آفاق'' کے خاص نمبر میں یامین کی نظم سری نگر روڈ کے زمانی اعتبار سے مختلف حصے ہیں۔ جہلم کے کنارے، واپسی کی خواہش، ریشم سازوں کی بستی، نیند کا سانہ، ۱۹۴۷ء کے بعد اور نیند کے بعد۔

کیا یہ نظم سامراجیت کے اسی تسلسل کی آئینہ دار نہیں اس کا نام دوسری جنگ عظیم کے بعد نئی نوآبادیات اور اب عالم گیریت رکھ دیا گیا۔

جاوید انور کی یہ نظم دیکھیے:

سورج کی اس بیک لائٹ میں
گھر کے کھنڈر.....

اور دیواروں پر بیٹھے افغانی بچے
امریکا کے ''آرٹ جرنل'' کے کور پیج پر

اب بھی زندہ لگتے ہیں!

اس عالم گیریت نے خورشید رضوی کے رگ و پے میں پھرتے آنسوؤں سے فرصت اشکباری بھی چھین لی ہے۔اسلامی دنیا حسب معمول کسی معجزے کی منتظر ہے۔فریادی ہے مگر بے عمل ہے۔شہر پر شہر برباد ہوتے جاتے ہیں۔مبارک شاہ کے لفظوں میں:

ابرہہ کا وہی لشکرِ فیل
ہم کو بھی انتظارِ ابابیل

کئی سال طویل ایران عراق جنگ بھی عالم گیریت ہی کا راستہ ہموار کرنے کے لیے تھی۔اس جنگ نے شاعری کے ساتھ نئی ایرانی کہانیوں میں راہ پائی۔زیرہ حسینی کا افسانہ "م سے میزائل" مینا محمدی کی کہانی "جب تم آئے" ہمارے ہی دانتوں میں بارود بھر کر ایرانیوں ہی کو کاٹنے ء کے اندوہ کا شاخسانہ ہیں۔عالم گیریت کمپیوٹر کے ری سائیکل بن کر طرح پروگراموں کو نہیں کمزوروں کو ری سائیکل بن میں ڈالنے کا نام ہے۔تاکہ وہ کی بورڈ پر گھڑے گھڑائے اس کی متحرک انگلیوں پر ناچتے رہے۔

افسانوں میں براہِ راست تو نہیں بالواسطہ طور پر عالم گیریت کے منفی اثرات کی عکاسی پوری دردمندی سے ہو رہی ہے۔ایسے افسانوں میں:

☆ افتخار نسیم کا "پردیسی" ☆ طاہرہ اقبال کا "واکنگ ٹریک"
☆ عرفان جاوید کا "بھونچال" ☆ منیر الدین احمد کا "مسدود راستہ"
☆ حمید شاہد کا "مرگ زار" اور ☆ نیلوفر اقبال کا "اوپریشن مائنس"

یہ افسانے عالم گیریت کی تباہ کاریوں کا ثبوت ہے۔

عالم گیریت اور ادب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"ادب پر عالم گیریت کے اثرات دو طرح کے ہیں۔اوّل یہ کہ ان سب کو کموڈیٹی کا درجہ دیا جا رہا ہے۔عالم گیریت صارفیت کے ساتھ مل کر ہر شے کو (بہ شمول ادب) اس کی داخلی، حقیقی معنویت کو بجائے اس کی صارفی اہمیت سے پہچانتی ہے۔دوم یہ کہ ان ادبی اصناف وک اہمیت مل رہی ہے جو گلوبل کلچر میں مشترک اس بالخصوص نظم اور ناول (کی حد افسانہ بھی) دلچسپ بات یہ کہ انھی اصل میں یہ دونوں مغربی ہیں۔اس طرح جو گلوبل ادبی کلچر وجود میں آ رہا ہے وہ بھی حقیقتاً مغربی ہے۔" (۱۰)

عالم گیریت کے حوالے سے اب تک جو بھی باتیں بیان ہوئیں ان سے جو مسائل ہمارے سامنے آئے ہیں جس طرح وہ ہمارے ادب کو متاثر کر رہے ہیں ان کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عالم گیریت نو آبادیاتی نظام کی بدلی ہوئی شکل۔
۲۔ عالم گیریت کے مقاصد سیاسی سے زیادہ معاشی ہیں۔

۳۔ عالم گیریت کے ذریعے دنیا میں موجود منفرد شناخت کی حامل تہذیبوں کا خاتمہ اور اپنے مقابل کوئی بھی مدمقابل نہ دیکھنے کی شدید خواہش ہے۔

۴۔ ادبی سطح پر تیسری دنیا کے ممالک میں موجود لکھنے والوں کو اس حد تک احساسِ کمتری میں مبتلا کر دینا کہ ضروری ہے کہ وہ فکری سطح پر کسی بھی نئے فکری رجحان کو پروان نہ چڑھائے۔

عالم گیریت کے اس سیلاب کو روکھنے کے لیے سب سے بڑی قوت ادیبوں کے پاس ہے۔ وہ اپنی شناخت کو بچانے کے لیے تحریری کوشش کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت –نظر مباحث، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ص ۳۱۸

۲۔ ایضاً ، ص ۲۷۸

۳۔ ایضاً ، ص ۳۲۰

۴۔ خالد اقبال یاسر، ''عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات''، غیر مطبوعہ مضمون، ص ۴

۵۔ انوار احمد، مشمولہ مقالہ، تحقیق نامہ، لاہور: شعبۂ اردو، جی-سی یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، ص ۸۰-۸۱

۶۔ ایضاً ، ص ۱۰۹

۷۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت –نظر مباحث، ص ۳۲۰

۸۔ خالد اقبال یاسر، ''عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات''، غیر مطبوعہ مضمون، ص ۲

۹۔ ایضاً ، ص ۵

۱۰۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت –نظر مباحث، ص ۳۲۱